تار سے بجنے والے سازوں کی داستان

ڈاکٹر جواز جعفری*

Abstract:

Musical instruments are a common heritage of humanity. No single man or tribe ever created them; they are rather the creation of human heritage that is an intact order through collective conscious and unconcious character of human mind. Musical instruments did not come into being within a single period of time and space.Musical instruments have been divided into four basic geners according to their mechanism and nature; and string section has been narrated comprhensively from the historical perspective in different cultures, non special and non temporal.

مزامیر انسانیت کا مشترکہ اثاثہ ہیں۔ یہ انسان کا ایسا سرمایہ ہے جس کی تخلیق میں کسی ایک انسان، قبیلے یا قوم نے حصہ نہیں لیا بلکہ یہ انسان کی اجتماعی میراث ہے۔ ساز کسی ایک عہد میں وجود میں نہیں آئے اور نہ ہی اس کا کریڈٹ کسی خاص قوم یا قوم کے مخصوص افراد کو دیا جا سکتا ہے بلکہ ان کی تخلیق و ایجاد اور تزئین و آرائش صدیوں کے تہذیبی حاصلات کا نتیجہ ہے۔ بے شمار انسانی نسلوں نے اپنے خونِ جگر کی آنچ سے سازوں کی شخصیت سازی میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ ہر آنے والی نسل نے پہلے سے موجود سازوں سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اپنے عہد کے سامعین کے ذوقِ جمال اور ضرورتوں کے مطابق ان میں مناسب ترامیم و اضافے بھی کیے۔ آج دنیا بھر میں سازوں کی جو رنگا رنگی نظر آتی ہے یہ مختلف سرزمینوں پر آگے بڑھنے والے تہذیبی عمل کا نتیجہ ہے ورنہ شروع کے زمانوں میں صرف چند ساز تھے۔ ہزاروں سال پر مشتمل تہذیبی عمل کے دوران نہ صرف سازوں کی تعداد میں اضافہ ہوا بلکہ ان کی شکل اور صورتیں بھی کیا سے کیا ہو گئیں۔ اگر ہم سازوں کی درجہ بندی کرنا چاہیں تو ان کے کئی ممکنہ کلیے قاعدے بنائے جا

* صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ ایم اے او کالج، لاہور۔

سکتے ہیں لیکن یہ کام موسیقی کے قارئین کے لیے نہ صرف مشکل ہوگا بلکہ تکلیف دہ بھی۔ لہٰذا ماہرینِ موسیقی نے دنیا بھر میں پائے جانے والے سازوں کو چار درجوں میں تقسیم کیا ہے:

1-تَت:

اس خاندان میں وہ ساز شامل ہیں جنہیں تار سے بجایا جاتا ہے اور ان کے بجانے والوں کو تت کار کہا جاتا ہے۔

2-بِتت:

اس درجہ بندی میں ایسے سازوں کو شامل کیا گیا ہے جنہیں کھال سے منڈھ کر بجایا جاتا ہے۔

3-سُکھر:

اس کیٹگری میں وہ ساز رکھے جاتے ہیں جو سانس یا پھونک سے بجائے جاتے ہیں۔

4- گھن:

اس تقسیم میں وہ ساز آتے ہیں جو دو چیزوں کو آپس میں ٹکرانے سے بجتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم تَت خاندان کے سازوں کا تذکرہ کریں گے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اپنے قارئین کے سامنے ان کی شکل وصورت، سائز، بجانے کی تکنیک اور قدامت واضح کرسکیں۔

1-جنتر بین:

ایک گز لمبی لکڑی لے کر اسے اندر سے کھوکھلا کرلیا جاتا ہے۔ اس کے دونوں سروں پر کدو لگائے جاتے ہیں پھر لکڑی کی سولہ کھونٹیاں اس کے سر پر لگا کر اس میں پانچ لوہے کے تار باندھ دیے جاتے ہیں۔ آواز کو کم یا زیادہ کرنے کے لیے اس کے اطراف میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لکڑی کے ٹکڑے باندھے جاتے ہیں۔

2-بین:

شکل وصورت میں یہ بھی جنتر بین جیسی ہی ہوتی ہے لیکن اس کے تاروں کی تعداد تین ہوتی ہے۔ وِینا اسی کا پرانا نام ہے اور یہ تار کا سب سے پُرانا ساز ہے۔[1] پاک و ہند میں پائے جانے والے اس ساز میں بے پناہ رنگا رنگی دیکھنے میں آئی ہے مگر ان سب میں شکل اور تاروں کا معمولی فرق ہوتا ہے۔ ہر بین میں چار سے سو تک تار ہو سکتے ہیں۔ بین میں ایک گز کے فاصلے پر دو کدو لگائے جاتے ہیں، اس پر لگی ڈانڈ کا عرض پانچ انچ اور لمبائی سوا گز ہوتی ہے، اس پر ایک تختہ ہوتا ہے جہاں آٹھ دس باریک تار نہایت ترتیب سے لگائے جاتے ہیں جو طربیں کہلاتے ہیں۔ ان کے آدھ انچ اوپر باج کے چار بڑے اور موٹے تار ہوتے ہیں جو چکاریوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ بین

کار سب سے پہلے تاروں کو ملاتا ہے پھر سیدھے ہاتھ کی انگلیوں میں مضرابیں پہن کر تاروں کو چھیڑتا ہے اور بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو کھسکا کر سُروں کا تعین کرتا ہے۔ یہ ساز کندھے سے لگا کر یا گود میں آڑھا رکھ کر بجایا جاتا ہے۔ باج کے پردوں کے ساتھ طربیں آس کا کام دیتی ہیں اور تُونبے سُروں کی آواز کو بڑھانے اور گونج پیدا کرنے کا کام کرتے ہیں۔ باج کے تار ایک طرف نیچے کی جانب بندھے اور دوسری طرف کھونٹیوں سے لپٹے ہوتے ہیں۔ بین کار جھالا بجاتے وقت باج کے تاروں کے ساتھ ساتھ چکاری کے تار بھی چھیڑتا ہے۔ بین میں پردے یا تو کم ہوتے ہیں یا پھر سِرے سے نہیں ہوتے۔ اسی لیے اس کا بجایا جانا خاصا مشکل امر ہے۔ ماہرین کا خیال ہے الاپ اور جوڑ بجانے کے لیے اس سے بہتر کوئی ساز نہیں ہے۔ پُرانے بین کاروں کے ایک ایک کر کے رخصت ہو جانے کے باعث یہ ساز آہستہ آہستہ معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

3- کنر بین:

یہ شکل وصورت میں تو بین ہی کی مانند ہوتی ہے مگر اس کی لکڑی نسبتاً لمبی ہوتی ہے اس میں دو کدو اور تین تار استعمال ہوتے ہیں۔

4- سر بین:

حجم اور ساخت کے اعتبار سے یہ بھی بین جیسی ہوتی ہے مگر اس میں لکڑی کے ٹکڑے نہیں ہوتے۔

5- انبرتی:

یہ بھی بین کے خاندان کا ساز ہے لیکن یہ سائز میں بین سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس میں نیچے والا کدو اوپر کی جانب ہوتا ہے۔ اس میں لوہے کا ایک ہی تار ہوتا ہے لیکن سب کے سب پردے بغیر تغیر کے بجائے جاتے ہیں۔

6- وَچتر وینا:

یہ بین کی جدید ترین شکل ہے، اسے بٹّا بھی کہتے ہیں۔ بین کار بائیں ہاتھ میں شیشے کا بٹّا لے کر باج کے تاروں پر گِھساتا ہے جس کے نتیجے میں رنگارنگ سُر جنم لیتے ہیں، اس کی آواز دیگر تمام بینوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ خصوصاً مینڈھ (سروں کا مربوط پھسلنا) کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مناسب ساز نہیں ہے۔ اس کی ایجاد کا سہرا استاد عبدالعزیز خان کے سر ہے، بین کار اسے اپنے سامنے فرش پر رکھ کر بجاتا ہے۔ آج کل یہی بین سب سے زیادہ رائج ہے۔

7- کنگرہ:

یہ بھی تار کا ساز ہے اور اپنی شکل وصورت میں بین سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس میں دو تار استعمال ہوتے ہیں اور اس کے کدو بین کے کدو سے چھوٹے ہوتے ہیں۔

8-اَدتی:

یہ بھی بین کے خاندان کا ساز ہے البتہ اس میں ایک تار اور دو کدو استعمال ہوتے ہیں۔

9-وِینا یا بینا:

یہ ہندوستانی سنگیت کا قدیم ترین ساز ہے۔ یہ آریا کی آمد سے پہلے ہندوستان میں موجود تھا اور اس زمانے میں اسے 'وان' کہتے تھے۔اُس زمانے میں سات دھاتوں کو ملا کر اس پر تار چڑھائے جاتے تھے۔ یہ ساز سری لنکا سمیت سارک کے بیشتر ممالک میں مقبول ہے۔ گندھرو موسیقی کا منبع ہی دنیا کا باج ہے۔2؎ اس موسیقی سے قبل وِینا کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ وِینا ہی ہے جس نے بعد ازاں ستار کی شکل اختیار کی۔

10- تان پُورہ:

یہ قدیم ترین ساز ہے اور ہمارے ملک میں یہ اپنے آخری دَموں پر ہے ماضی کے تمام کلاسیکی گائیک اسی کے ساتھ گایا کرتے تھے اور اس کے بغیر گانے کا تصور تک نہیں تھا مگر آج الیکٹرونک تان پورہ کے آجانے سے اس کا رواج کم ہونے لگا ہے۔ تان پورہ ستار کی شکل کا ساز ہے۔ اسے مضراب، جوے، گز یا چوبوں سے بجانے کی بجائے صرف سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں سے چھیڑا جاتا ہے۔ اس کا تونبہ ستار کی نسبت بڑا ہوتا ہے، اس کی ڈانڈ سوا گز ہوتی ہے جس میں چار تاروں کے سرے طبلی کی جڑ میں ایک کنگھی سے بندھے ہوتے ہیں۔ طبلی کے اندر کھرچ پر چڑھنے سے پہلے ہر تار میں ایک منکا ڈالا جاتا ہے جو تار کو سُر کرنے کے کام آتا ہے۔ تار کھرچ سے ہوتے ہوئے ایک کنگھی میں سے نکلتے ہیں اور ڈانڈ سے ہوتے ہوئے ایک اور کنگھی میں داخل ہوتے ہیں اور تب ان کے سرے کھونٹیوں سے لپٹ جاتے ہیں۔ تان پورہ میں تین تار لوہے کے اور ایک پیتل کا ہوتا ہے جو باقی تاروں کی نسبت ذرا موٹا ہوتا ہے۔ پہلے درمیان کے دونوں تار (جنہیں جوڑا کہا جاتا ہے) بنیادی سُر (کھرج) میں ملائے جاتے ہیں جبکہ پیتل کا تار نچلی سپتک کے کھرج میں ملایا جاتا ہے اور تیسرا تار ضرورت کے مطابق مدھم، پنچم یا نکھاد میں ملایا جاتا ہے۔ تان پورہ بنیادی طور پر آس کا ساز ہے۔ گانے والا انہی چار تاروں میں سارے سُر تلاش کر لیتا ہے۔ پاکستان میں تان پورہ اپنے آخری دموں پر ہے۔3؎

11- طنبورہ:

بنیادی طور پر یہ ایرانی ساز ہے عربی میں اسے طنبور کہتے ہیں۔ طنبورہ کو ایک طرح سے رباب کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے جو سُر کی آس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض محققین تان پورہ اور طنبورہ کو ایک ہی ساز قرار دیتے ہیں جبکہ بعض کے بقول طنبورے کو ہندوستانی ساز تان پورہ4؎ طنبورے کی نسبت میں لوہے اور پیتل کے پانچ تار استعمال ہوتے

ہیں۔اس میں تسمے سے بعض بَند بھی ڈالے جاتے ہیں جو لوہے کے بھی ہو سکتے ہیں۔البتہ بَندوں کے بغیر بھی طنبورے رائج ہیں۔بَند والے طنبورے میں ہر راگ کے مطابق طنبورہ نواز بندوں کو کم یا زیادہ کرتا ہے۔

12-رباب:

یہ ایک معروف ساز ہے جو وسیع تر علاقوں میں بجایا جاتا ہے۔وسط ایشیا سے لے کر عرب کے صحراؤں تک اس کی مملکت پھیلی ہوئی ہے۔لکڑی کے ایک بڑے ٹکڑے کو کھود کر اسے سُر ود کی طرح بنایا جاتا ہے۔اس کا ایک سِرا پیالے کی شکل کا (بیضوی) ہوتا ہے جو دوسرے سِرے تک گاؤدم ہوتا چلا جاتا ہے۔ پیالے یا شکم پر کھال منڈھ دی جاتی ہے اور ڈانڈ اور گلو کو ہلکی لکڑی سے ڈھک دیا جاتا ہے۔باج کے دو یا تین تار شکم کے وسط میں رکھی کھڑ چ پر سے گزرتے ہوئے کھونٹیوں سے لپٹ جاتے ہیں۔بعض ماہرین موسیقی نے رباب کے تاروں کی تعداد چھ سے بارہ بلکہ سولہ بھی لکھی ہے۔اسے ہاتھی دانت یا لکڑی کے چھوٹے ٹکڑوں سے چھیڑا جاتا ہے،اسے جَوا کہتے ہیں۔رباب کی آواز بلند ہوتی ہے۔جو لوگ خیال یا چٹکلہ گاتے ہیں ان کی آواز میں غم کی آمیزش پسند کی جاتی ہے لیکن رباب کے تازہ تاروں سے اظہارِ غم کی کیفیت خود بخود پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔رباب بنیادی طور پر عربوں کا ساز ہے اور یہ انہی کے ساتھ دور دراز کے ممالک تک پہنچا۔ ہسپانیہ کا ''ریبک'' رباب ہی کا ہمشکل ہے اور دونوں کے ناموں میں بھی کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔رباب بنیادی طور پر جنگی ساز ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ مجلسی زندگی کا حصہ بننے میں کامیاب ہو گیا۔پردے نہ ہونے کے باعث رباب کا بجانا خاصا مشکل سمجھا جاتا ہے۔پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا، بلوچستان اور وسیع تر شمالی علاقوں میں رباب مقبول ترین ساز ہے۔آج کل سازندے اس پر کلاسیکل بھی بجاتے نظر آتے ہیں۔

13-سرود:

سرود کو رباب ہی کی ترقی یافتہ شکل سمجھنا چاہیے۔کسی زمانے میں سرود میں تین تار لگائے جاتے تھے اسی لیے یہ سہ رُود کے نام سے مشہور ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سہ رُود، سرود میں تبدیل ہو گیا۔سُرود قد و قامت میں رباب سے بڑا ہوتا ہے۔آج کل اس پر رُودے کی بجائے لوہے کے تار چڑھائے جاتے ہیں۔ استاد علاؤالدین خاں، استاد علی اکبر خاں اور استاد حافظ علی خاں، اُستاد کرامت حسین خاں برصغیر کے نامور سرود نواز سمجھے جاتے ہیں۔اپنی آواز کے اعتبار سے سرود، منڈولین اور گٹار سے زیادہ خوش آواز ہے۔رباب کی طرح سرود بھی غیر ملکی ساز ہے۔جس طرح رباب عربوں کے دیگر سازوں نقارہ، طبل، دائرہ، سورنا، کرنائی، مثقال، قوّال، بوری وردک، طنبور، شستا، قبوز اور چنگ کے ساتھ عرب دنیا سے برصغیر میں وارد ہوا تھا اسی طرح سرود کا اصل وطن ایران ہے اور یہ ایرانی حملہ آوروں کے ساتھ برصغیر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

14-سُر سنگھار:

یہ بنیادی طور پر رباب اور سُر ودہی کی فیملی کا ساز ہے مگر سائز میں دونوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اس میں باج کے آٹھ تار لگائے جاتے ہیں جو سارے کے سارے لوہے کے ہوتے ہیں۔ سُر سنگھار کی طربیں پیتل کی ہوتی ہیں جبکہ انگلیاں دوڑنے کے میدان والی پلیٹ نکل کی رکھی جاتی ہے تاکہ انگلیاں آسانی سے پھسل نہ سکیں۔ یہ ساز الاپ کرنے اور جوڑ لگانے کے لیے نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے۔ اس پر گت نہیں بجائی جاتی ہے البتہ مینڈھ بجانے کے لیے یہ بہت ہی مناسب ساز ہے۔ سُر سنگھار، والیٔ رامپور نواب کلب علی خان کی فرمائش پر بنایا گیا تھا اسے سُر بہار کا جواب سمجھا جاتا ہے۔

15- قانون:

اپنی اصل کے اعتبار سے قانون ایک غیر ملکی ساز ہے جو عرب دنیا سے ہندوستان پہنچا۔ عرب اسے جنگ کے دوران بجایا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اپنی ابتدائی شکل میں اسے فیثا غورث نے ایجاد کیا۔ 5 جہاں تک قانون کی ساخت کا تعلق ہے لکڑی کے دوہرے فریم پر تیس یا زیادہ تار چڑھائے جاتے ہیں۔ بعض ناقدینِ موسیقی نے تاروں کی تعداد چالیس بھی لکھی ہے۔ تین تار ایک طرف اور چار دوسری طرف باقی تمام تاروں کو دو دو کر کے آگے باندھ دیتے ہیں۔ البتہ ان تاروں کو ایک دوسرے سے جدا جدا رکھا جاتا ہے۔ قانون کے تار اپنی موٹائی کے اعتبار سے ایک سرے سے دوسرے تک پتلے اور لمبائی میں چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جن کے سرے گھنڈیوں اور چابیوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ قانون کو چابیوں کی مدد سے راگ کے سُروں کے مطابق ملایا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں قانون پر الاپ کرنے کا بھی دستور تھا مگر اب اس کی تاروں کو چھوٹی چوبوں کی مدد سے بجایا جاتا ہے جن کے سِروں پر ربڑ چڑھائی جاتی ہے۔ قانون کے اسی اصول پر وہ تمام ساز بنائے گئے ہیں جو ترنگ کہلاتے ہیں۔ بعض ماہرین کے نزدیک اپنی موجودہ شکل وصورت میں قانون اور سُر منڈل بنیادی طور پر ایک ہی ساز ہے جسے دو الگ الگ ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ قانون میں معمولی ردّوبدل کر کے ایک نیا ساز بنایا گیا ہے جسے ہمسایہ ملک ایران میں سنتور کے نام سے جانا جاتا ہے۔

16-سُر منڈل:

سُر منڈل کے معانی آوازوں کا گھر ہیں۔ اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے سُر منڈل قانون سے اچھی خاصی مشابہت رکھتا ہے۔ آپ اسے قانون کا چچیرہ بھائی کہہ سکتے ہیں۔ سُر منڈل میں پچیس تار استعمال ہوتے ہیں ان میں سے چند تار پیتل کے باقی لوہے کے ہوتے ہیں۔ جو اپنی ترتیب میں نصف نیچے کی جانب اور باقی تار قانون ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ دونوں میں اگرچہ بہتی مشابہت ہے مگر بجانے کے اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ

قانون چوبوں کی مدد سے بجایا جاتا ہے جبکہ سُر منڈل کو گائیک گود میں رکھ کر انگلیوں کی مدد سے اس کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر آ س کا ساز ہے اس لیے بہت سے کلاسیک گانے والے اس کے ساتھ گانا پسند کرتے ہیں۔

17- ستار:

ستار موجودہ عہد کا مقبول ترین ساز ہے۔ اس میں چیلو جیسی گہرائی اور گٹار جیسی شوخی ہے۔ یہ ساز دلنواز تو ہے ہی مگر اس سے زیادہ مشکل بھی ہے۔ ستار پر دسترس حاصل کرنے کے لیے ستار نواز کو کڑی محنت اور ریاضت سے گزرنا پڑتا ہے۔ ستار نوازی میں درست مینڈھ نکالنا ہی کمالِ فن سمجھا جاتا ہے۔ ایک طرف یہ سنگت کا ساز ہے تو دوسری طرف سولو ستار نوازی بھی اپنی ایک مضبوط روایت رکھتی ہے چنانچہ استاد امداد خاں (عنایت خان کے والد)، استاد ولایت خان، استاد جعفر خان، روی شنکر، استاد شریف خان، استاد رئیس خان اور استاد عنایت خان ستار نوازی کے میدان کے بڑے شہسوار سمجھے جاتے ہیں۔

بعض محققین ستار کی ایجاد کا سہرا امیر خسرو کے سر باندھتے ہیں ان کے بقول اس زمانے کے مقبول ساز بین میں چند تبدیلیاں کر کے امیر خسرو نے اسے ستار کا نام دیا۔6 بین کے دونوں تونبے ڈانڈ کے نیچے لگے ہوتے ہیں جبکہ ستار میں پیالے کا اوپر والا حصہ تراش کر اسے پیالے کی شکل دی جاتی ہے اور اس کے کھلے ہوئے رخ کو طبلی لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔ تونبے میں جڑی گز بھر لمبی ڈانڈ کے ساتھ سولہ پردے لگے ہوتے ہیں جن کے نیچے طربوں کے تار ہوتے ہیں۔ ابتداء میں پردوں کے اوپر تین تار لگائے جاتے تھے اسی مناسبت سے اسے ''سہہ تار'' کے نام سے موسوم کیا گیا جو کثرتِ استعمال سے ستار بن گیا۔ آج کل اس میں سات تار استعمال ہوتے ہیں جن میں تیسرا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں تار لوہے کا جبکہ دوسرا اور چوتھا تار پیتل کا ہوتا ہے۔ بین ہی کی طرح ستار کے تار بھی کھونٹیوں کی مدد سے کسے اور ڈھیلے کیے جاتے ہیں۔ تاروں اور طربوں کی کھونٹیاں ستار کے پہلو اور مَستک میں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ ستار نواز سیدھے ہاتھ کی انگلیوں میں مضراب پہن کر اور بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو باج کے تار پر رکھ کر پردوں پر کھسکاتا جاتا ہے جبکہ پردوں کا فاصلہ سُروں کے اعتبار سے مقرر کیا جاتا ہے۔

کلکتہ ہمیشہ سے ستار سازی کا مرکز رہا ہے جہاں کے کرل رائے اور کنہیا لال کا شمار ممتاز ترین ستار نوازوں میں ہوتا ہے۔ کلکتہ کے بعد لاہور، امرتسر، بمبئی اور بنارس ستار گری کے حوالے سے خصوصی شہرت کے حامل ہیں۔ لاہور میں رمضان خان کا خاندان کئی پشتوں سے ساز گری کرتا چلا آ رہا ہے اس خاندان کی خصوصی شہرت کا باعث ستار پر ہاتھی دانت کا کام ہے۔ ستاری گری ایک ایسا کام ہے کہ جب تک ستار ساز کو موسیقی کی تعلیم نہ دی جائے وہ اچھا ستار ساز نہیں بن سکتا۔8 ستار سازی میں بنیادی اہمیت جواہری کو حاصل ہے یہ پُرزہ روایتی طور پر ہڈی یا ہاتھی دانت سے تیار کیا جاتا ہے۔ آج کل ہندوستان میں ہڈی کی جگہ آبنوس کی پلیٹ استعمال کی جا رہی ہے اور یہ تجربہ اب

پاکستان میں بھی کامیابی سے کیا گیا ہے۔ پوری ستار میں لوہے کا کوئی پیچ یا کیل استعمال نہیں ہوتا اور نئے ستار ساز کی بنیادی تربیت ہی کیل بنوانے سے کی جاتی ہے۔ ستار سازی میں تار کے علاوہ کوئی چیز بازار سے نہیں منگوائی جاتی۔ شروع میں ستار کا تار (پیانو وائر) ہندوستان میں بنتا تھا مگر آج کل یہ انگلینڈ سے درآمد کیا گیا ہے۔ یہ تار آواز کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے۔ ستار کے لیے لکڑی کا ایک لمبا ٹکڑا منتخب کیا جاتا ہے جس میں تونبہ اور پلیٹ نما طبلی لگی ہوتی ہے۔ ستار کے تار کچھ اوپر ہوتے ہیں اور کچھ نیچے جو طربیں کہلاتی ہیں۔ اوپر والے تاروں کے بجتے ہی نیچے والے تار خود بخود بج اُٹھتے ہیں۔ ستار میں جو لکڑی استعمال ہوتی ہے وہ تُن کہلاتی ہے جو آج کل صرف ہندوستان میں دستیاب ہے۔

18-سُر بہار:

یہ ساز اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے ستار سے خاصی مشابہت رکھتا ہے۔ دونوں سازوں میں جو چیز امتیاز پیدا کرتی ہے وہ اس کے تونبے کا بڑا اور ڈانڈ کا چوڑا ہونا ہے۔ اس کے تار اور طربیں بھی ستار جیسی ہوتی ہیں۔ ستار کے مقابلے میں سُر بہار کے پردے اور ڈانڈ اس لیے چوڑی رکھی جاتی ہے تاکہ ایک ہی پَردے پر تار کو زیادہ سے زیادہ کھینچا جا سکے جس کے نتیجے میں سُر بہار کے سُروں کی گھلاوٹ بڑھ جاتی ہے۔

19-دلرُبا:

اگر سارنگی اور ستار کو یکجا کر دیا جائے تو دلرُبا جنم لیتا ہے۔ دلرُبا کا شکم سارنگی جیسا جبکہ گلو ستار کی مانند ہوتا ہے۔ ستار کی طرح دِلرُبا میں بھی انیس پردے، باج کے چار تار اور اکیس طربیں ہوتی ہیں۔ سارنگی کی طرح اسے بھی گز سے بجاتے ہیں۔ دلرُبا سے ملتا جلتا ساز ''طاؤس'' بھی موجود ہے جسے سارنگی اور ستار کے اصول ہی پر بجایا جاتا ہے۔

20-سارنگی:

یہ غچک کی طرح کا ساز ہے اور اسی کی مانند بجایا جاتا ہے۔ اسے سازِ صدرنگ کہا جاتا ہے۔ قدرت کا بنایا ہوا سب سے خوبصورت ساز انسانی گلا ہے اور گلے کا ساتھ جس طرح سارنگی دیتی ہے اور کوئی ساز ایسا نہیں کر سکتا۔ ماہرینِ موسیقی نے سارنگی کو مشرق کے وائلن کا لقب دیا ہے۔ سُروں اور شُرتیوں کو ادا کرنے کے جو امکانات سارنگی میں پائے جاتے ہیں وہ دنیا کے کسی دوسرے ساز میں موجود نہیں ہیں۔ رباب اور سُرود کی طرح سارنگی بھی لکڑی کے ایک اڑھائی فٹ لمبے اور آٹھ انچ چوڑے ٹکڑے کو کھود کر بنائی جاتی ہے اس کا نچلا حصہ پھیلا اور چوکور ہوتا ہے جس پر کھال منڈھ کر اس پر کھرچ رکھی جاتی ہے۔ شکم سے اوپر کا حصہ میدان کہلاتا ہے جس میں سارنگی نواز کی انگلیاں دوڑتی ہیں۔ باج کے تین تاروں کے نیچے پیتل کی طربیں ہوتی ہیں۔ بائیں ہاتھ کی انگلیاں باج کے تاروں پر رکھنے کی بجائے پہلو کے تار سے ملا کر رکھی جاتی ہیں کہ صرف تاروں کو چھوئیں۔ ناخنوں کو اوپر نیچے کھسکانے سے سُر اُترتے

چڑھتے ہیں۔ سارنگی گز کی مدد سے بجائی جاتی ہے۔ گز سے بجائے جانے والے سازوں میں ایک سہولت یہ ہوتی ہے کہ یہاں سُر پر دیر تک ٹھہرا جا سکتا ہے۔ استاد بندُو خان سارنگی بجانے کے حوالے سے ایک بڑا نام ہے اور انہوں نے سارنگی میں بین، رباب اور دلرُبا کا باج شامل کر کے درحقیقت اُسے سورنگی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے گز سے مضراب کا کام لیتے تھے۔ سارنگی کی غیر ترقی یافتہ شکل ''چکارا'' ہے جسے طربوں کے بغیر سارنگی کا نام دیا جا سکتا ہے جو آج بھی ہمارے دیہات میں مقبول ہے۔ دلّی گھرانے کے استاد ممن خان نے ایک ایسی سارنگی بنائی تھی جو عام سارنگیوں سے ڈیڑھ گنا بڑی تھی اور انہوں نے اس کا نام ''سُر ساگر'' رکھا تھا۔ اس میں باج کے پانچ تار تھے۔ جن سے سات سپتکیں ادا ہو سکتی تھیں۔ استاد ممن خان نے طربوں کے تاروں کے علاوہ چند تار ایسے بھی لگائے تھے جن پر بائیں ہاتھ سے جھالا بھی بجایا جا سکتا تھا۔ اگرچہ اس کی آواز چیلو کے مماثل تھی مگر یہ سارنگی اپنی تکنیکی مشکلات کے باعث موسیقی کے حلقوں میں مقبول نہیں ہو سکی۔ ''سُر ساگر'' سنگت کا ساز نہیں تھا اس سے صرف سولو بجایا جا سکتا تھا۔ بعض سارنگی نوازوں نے نو دس فٹ اونچی سارنگیاں بنانے کے تجربے بھی کیے ہیں مگر ان سارنگیوں کو موسیقی کی محفلوں کی بجائے عجائب گھروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سارنگی برصغیر کا مقبول ترین ساز ہے جو آج کل اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے۔ استاد بندو خان، استاد لُڈن خان، استاد غلام رسول خان (اندور)، استاد چھوٹے خان (گوالیار)، استاد حفیظ خان (گڈھیانی)، استاد ظہوری خان (دہلی)، استاد دانش خان (دہلی)، استاد صابری خان، استاد امراؤ بندو خان، استاد فلوسا خان، استاد سلطان خان، استاد نتھو خان، اور استاد ناظم خان سارنگی نوازی کے حوالے سے اساتذۂ فن میں شمار ہوتے ہیں۔

21- سارندہ:

یہ ساز ایک طرح سے چھوٹی سارنگی ہی ہوتی ہے۔ سارنگی ہی کی طرح لکڑی کے ایک ٹکڑے کو کھود کر بنایا جاتا ہے۔ اس کا شکم گہرا اور کشکول کی شکل کا ہوتا ہے مگر اس پر کھال نہیں منڈھی جاتی۔ کشکول کا اوپر والا حصہ سامنے کے رُخ پر کُھلا رکھا جاتا ہے جو لاؤڈ سپیکر کا کام دیتا ہے۔ سارندہ کی پسلیاں چوڑی اور اس کا گلُو وائلن جیسا ہوتا ہے جس کے ایک فٹ کے برابر میدان میں اُنگلیاں دوڑتی ہیں۔ باج کے چار تار لوہے کے جبکہ کمانی سارنگی کی کمانی سے چھوٹی ہوتی ہے۔ سارندہ گز سے بجایا جاتا ہے اور اس کی آواز خاصی تیز ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک جنگی ساز ہے جو بعد ازاں مجلسوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سارندہ پاکستان کے سرحدی اور سندھی علاقوں کا مقبول ساز ہے البتہ یہ ساز راگ راگنیاں بجانے کے لیے موزوں نہیں سمجھا جاتا۔

22- اکتارہ:

یہ قدیم سازوں میں سے ہے یہ آس کا ساز ہے جسے ہندو متھالوجی میں شیو دیوتا سے منسوب کیا گیا ہے۔

اس کا شکم ایک گول اور بند تونبے کی شکل کا ہوتا ہے جس میں بانس کی گز بھر لمبی ڈانڈ لگی ہوتی ہے، تونبے کے وسط میں کھڑچ ہوتی ہے اور بانس کے سرے پر کھونٹی میں تار لپٹا ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ میں اک تارا اور دوسرے ہاتھ میں کھڑتالوں کی جوڑی لے کر برصغیر کے طول وعرض میں اکثر بھاٹ، فقیر اور منگتے گاتے نظر آتے تھے۔ شروع میں اس میں ایک ہی تار استعمال ہوتا تھا جسے گانے والا ایک انگلی سے چھیڑتا رہتا مگر سائیں مرنا نے اسے مزید دلنواز بنایا۔ اُس نے اکتارا کو نیا رنگ وروپ دے کر مزید بڑا بنایا اور اس میں چند تاروں کا اضافہ کر دیا۔ وہ اسے ستار کی طرح کندھے سے لگا کر بجاتا اور بائیں ہاتھ سے لکڑی کا ایک ٹکڑا تار پر گھسا تا جاتا اور یوں اس میں سے وچتر وینا جیسے سُر پھوٹنے لگتے تھے۔

23-یال:

یہ بھی تاروں والی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ساز کا محض کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔ ماہرین کے بقول یال میں ہزار تار استعمال ہوتے تھے۔ اس جیسا آج ایک بھی ساز نہیں ہے۔

24-فردوسِ بہار:

یہ بھی رباب اور ستار کے خاندان کا ساز ہے اور قد وقامت میں بھی انہی جیسا ہے۔ اس کی ایجاد کا سہرا سراج احمد قریشی کے سر ہے جنہوں نے ستار اور رباب کو ملا کر فردوسِ بہار تخلیق کیا۔ 9

25-پناک:

اس کا شمار تار کے اوّلین اور قدیم ترین سازوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا کہ تاروں والے سارے سازوں کا جدِ امجد تیر کمان ہے۔ پناک اپنی شکل وصورت میں تیر کمان سے گہری مماثلت رکھتا ہے اسے سرتبان بھی کہتے ہیں۔

پناک گری کرتے وقت کمان کے برابر لکڑی کو قدرے خم دے کر رودہ کی تاروں پر قدرے کس کر باندھتے ہیں اس کے بعد لکڑی کے دو پیالے یا دو کدّو دونوں جانب اوندھے رکھے جاتے ہیں اور اسے غچک کی طرح بجایا جاتا ہے۔

26-ہارمونیم:

یہ بنیادی طور پر غیر ملکی ساز ہے مگر یہ برصغیر کی موسیقی میں ایسے رچ بس گیا ہے کہ بیشتر گوّیے اس کے بغیر گانے کا تصور بھی نہیں کرتے۔ ہماری موسیقی میں جو ساز سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے وہ ہارمونیم ہے۔ گوّیوں میں اپنی بے پناہ مقبولیت اور اہمیت کے پیشِ نظر اب اس کا شمار مقامی سازوں ہی میں ہوتا ہے۔ ۱۸۴۰ء میں فرانس

کے الیگزینڈر فرانسپا درنے کئی سازوں، سرجل اے اولین، اے اولوڈی کون، سرافین آرگ، ایکسپریسیو، پیئر فون، سیلافون اور ہارمونی فون کے ملاپ سے اسے ایجاد کیا۔ ہارمونیم کو پہلی بار گراموفون کمپنی ہز ماسٹر نے ہندوستان میں متعارف کرایا۔ یہ ایسا ساز تھا کہ اس کے آنے سے سب سے پہلے سارنگی اور تان پورے کی حیثیت پر زد پڑی۔ تھیٹر کی آخری روتک رسائی کے باعث ہارمونیم کی تیز آواز کے سامنے سارنگی اور تان پورے کو بالآخر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے جب فرانس اور جرمنی سے ہارمونیم آنا بند ہو گئے تو گجرات کے جیون لال نے پہلا مقامی ہارمونیم تیار کیا۔ اسی دوران بعض دوسری کمپنیوں نے بھی میدان خالی پا کر یہ کاروبار شروع کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم نے ہارمونیم کی رہی سہی درآمد بھی ختم کر دی۔ چنانچہ جلد ہی مہاراشٹر، بنگال اور پنجاب ہارمونیم سازی کے گڑھ بن گئے۔ جہاں ہارمونیم کو برصغیر میں بے پناہ مقبولیت ملی وہاں اس ساز کی مخالفت بھی کی گئی۔ ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا ریڈیو نے اس ساز پر اپنے دروازے بند کر دیے مگر گیان پرکاش کی کوششوں سے ہارمونیم ریڈیو پر دوبارہ رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ویسے تو قریباً ہر گوّیا ہارمونیم بجاتا ہے لیکن گوبندراؤ پٹوردھن (مہاراشٹر) جلگاؤنکر، ڈاکٹر اروند تھبے، پنڈت متو یک چھوٹے، محمود دھولپوری (دہلی)، استاد تاج محمد، سوہن لال (کلکتہ)، جینت بھالودکر (گجرات)، استاد نواب خان قصوری، پنڈت امرناتھ، دولہا میاں (بریلی)، استاد جھنڈے خان، ماسٹر صادق اور اعجاز حضروی (راولپنڈی) نے اس میدان میں خصوصی شہرت اور ناموری حاصل کی۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب جن دنوں عروج پر تھی ان دنوں ہندوستانی موسیقار، دانشور اور فنونِ لطیفہ کے دیگر افراد یونانی مجلسوں میں دادِ فن دیتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح سکندر اعظم کے ہندوستان پر حملے کے زمانے میں جب جنگوں سے فرصت مل جاتی تو سکندر نشاط کی محفلیں برپا کرتا تا کہ جنگجوؤں کو آرام و تفریح مہیا کی جائے۔ ایسے میں فضا یونانی، مصری اور ایرانی سازوں کی دھنوں سے مترنم ہو جاتی۔ ہندوستانی مزامیر کی کہکشاں میں بہت سے یونانی سازوں کی موجودگی انہی ایام کی یادگار ہے۔ یہاں ہم چند یونانی سازوں کا ذکر کریں گے۔

27-مانو کارڈ:

یونانی دانشور حکیم فیثا غورث کو کئی ایک سازوں کا موجد قرار دیا جاتا ہے۔ مانو کارڈ کی ایجاد بھی اسی سے منسوب کی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ اس ساز کی ایجاد کا خیال اسے ہندوستان کی سیاحت کے بعد آیا۔ یہ شروع میں ایک طرح کا اکتارا ہی تھا جس کے اوپر کی کھونٹی سُر نکالنے کے لیے ساز کے ڈانڈ پر پھیلا دی جاتی تھی۔

28-لائر:

یہ بھی تاروں کے خاندان کا ساز ہے جسے کچھوے کی ہڈی سے بنایا جاتا اور انگلیوں یا مضراب کی مدد سے بجایا جاتا تھا۔ یونانی اسے اپنا قومی ساز قرار دیتے تھے۔

29- کتھارا:

بظاہر یہ بھی لائر ہی تھا لیکن اس کی بناوٹ میں کچھوے کی ہڈی استعمال نہیں ہوتی تھی۔ جسامت میں بھی یہ لائر سے خاصا بڑا تھا جسے محض پیشہ ور سازندے ہی بجاتے تھے۔اس پر پندرہ سے اٹھارہ تار چڑھائے جاتے تھے۔

مذکورہ بالا سازوں کے علاوہ چنگ، الاون، بربط، کمانچہ، شٹاتیتو (سو تاروں والا)، قنبر (چھوٹی کمان) سبھی اپنے زمانے کے تت خاندان کے معروف ساز ہیں۔

حواشی

۱۔ برصغیر میں بین کی کئی قسمیں مروّج رہی ہیں جن میں برہما وینا، اُدر وینا، سرسوتی وینا، نارد وینا، ستا تنتری وینا، طنبوری وینا، مارو وینا، مدراسی وینا اور وچتر وینا زیادہ مشہور ہیں۔

۲۔ عنایت الٰہی ملک، ''برصغیر کی موسیقی''، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰

۳۔ پرانے لاہور کے سازگروں کے بازار میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق گذستہ پندرہ سالوں کے دوران ایک بھی تان پورہ فروخت نہیں ہوا اور اس پورے عرصے میں محض دو یا تین تان پورے مرمت کے لیے لائے گئے ہیں۔

۴۔ پروفیسر شہباز علی، ''کیا صورتیں ہوں گی''، قاضی ظہور الحق سکول آف اورینٹل میوزک، راولپنڈی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۳۸

۵۔ شاہد احمد دہلوی، ''ہماری موسیقی''، ادارہ مطبوعاتِ پاکستان، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۰۲

۶۔ شاہد احمد دہلوی، ''ہماری موسیقی''، ص ۹۹

۷۔ ستار کی ایجاد کا سہرا امیر خسرو کے سر باندھنے کے حوالے سے ہمارے محققین کی رائے تقسیم نظر آتی ہے۔ایک گروہ اس کا کریڈٹ امیر خسرو کو دیتا ہے جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ امیر خسرو کے زمانے میں اس ساز کا حوالہ موسیقی کی کسی مستند کتاب میں نہیں ملتا۔

۸۔ مقصود ثاقب، ''سنگیت کاراں دیاں گلاں''، سچیت کتاب گھر، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۷

۹۔ پروفیسر شہباز علی، ''کیا صورتیں ہوں گی''، ص ۱۳۵